سرمایہ و محنت

(بسلسلۂ گزشتہ)

شوکت سبزواری

اس مسئلے کا ایک اہم اور دلچسپ پہلو بھی ہے جس کا ذکر یہاں ہونا چاہیے۔ یہ پہلو اہم ہے کہ اس سے مسئلے کے وہ گوشے ابھر کر سامنے آتے ہیں جو ہنوز نیم تاریک یا نیم روشن ہیں، اور دلچسپ ہے کہ۔ علم اور روشنی کے اس زمانے میں شاید ہی کوئی یہ باور کرنے کے لئے تیار ہو کہ آج سے صدیوں پہلے ایک نیم مہذب سرزمین میں کسی مسئلے سے متعلق، جس کا اس وقت وجود نہ تھا، کوئی نازک اور لطیف نکتہ پیدا کیا گیا ہوگا۔ وہ پہلو یہ ہے کہ ان معانی کے علاوہ جو مختلف فنی حوالوں سے سطور بالا میں بیان ہوئے، جدید معاشیات میں لفظ (Labour) عام مزدور کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور مزدور سے، جیسا کہ (Dictionary of Sociology) میں ہے، مراد ہے محنتی (Wage Labour) یعنی وہ شخص جسے عام ماہرانہ یا غیر ماہرانہ کام یا خدمت کے صلے میں کوئی معاوضہ (Wage) دے کر رخصت کر دیا جائے۔ (Productive Activity Paid for by Someone Else) عربی میں محنتی کو اجیر (اجرت پانے والا) کہتے ہیں۔ "کاسب" اور "اجیر" دونوں پر "لیبر" کا اطلاق ہوا ہے۔ آج "کاسب" اور "اجیر" میں فرق نہیں کیا جاتا اور گوناگوں ترقیوں اور روشن سامانیوں کے باوجود کاسب کو اجیر کی صف میں رکھ کر اجیر کی طرح حقیر معاوضے یعنی مزدوری کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اسلام نے کاسب کو اجیر کی صف میں نہیں رکھا اور اجیر اور کاسب میں فرق کیا ہے۔ اجرت پانے والا اسلام میں اجیر ہے اور کمانے والا کاسب، جو

شاید اس لئے اجیر سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے کہ وہ تحصیل یا تخلیق کرتا ہے۔ ویسے تو اجیر بھی محنت کرتا ہے اور کاسب بھی۔ اس حیثیت سے تو دونوں ہی محنت کش اور لغت کی حد تک محنتی ہیں ۔ لیکن بغور دیکھنے سے دونوں کی محنتوں میں یا محنتوں کے نتیجوں میں ہمیں فرق نظر آتا ہے۔ اجیر صناع یعنی صورت گر ہے اور کاسب خلاق۔ اجیر کا کام تشکیل و تصویر ہے اور کاسب کا تخلیق یا تعمیر ۔ ایک طرف لوہار، معمار، نجار ہیں جو کسی مادے مثلاً لوہے ، لکڑی یا تعمیری مسالے کو شکل نو دے کر عام ضرورت یا آسائش کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ دوسری طرف مزارع ، مل مزدور، اور بیوپاری ہیں جو روزی یا روزگار پیدا کرتے ہیں۔ مزارع اصلی صورت میں روزی پیدا کرتا ہے اور مل مزدور یا بیوپاری بدل کی صورت میں۔ لیکن یہ طے ہے کہ عام ضرورت یا سامان آسائش کی یہ فراہمی نہیں کرتے ، اسباب خور و نوش کی فراہمی کرتے ہیں۔ اسلامی فکر کی رو سے جس کی محنت محض روزی کے لئے ہے وہ اجیر ہے، اور جس کی محنت روزی یا روزگار کی تخلیق کے لئے ہے وہ کاسب ہے۔ "اجیر" سے کام لینے والا مستاجر کہلاتا ہے ۔ کاسب سے کام لینے والا زمیندار یا سرمایہ دار۔

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان حیات کے ضمن میں بڑی ہی خوبصورتی سے اجرت اور اجیر کے معنوں کی طرف لطیف سے اشارے کئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی امانت ، قوت اور خدمت دیکھ کر ہی حضرت شعیب کی صاحبزادیوں نے اپنے والد بزرگوار سے کہا تھا :

یا ابت استأجره ، فان خیر من استأجرت القوی الامین۔ (القرآن)

ابا جان ! اس صالح نوجوان سے اجرت پر کام لیجیے نا ۔ بہتر اجیر وہی ہو سکتا ہے جو قوی بھی ہو اور امین بھی۔

اس ابتدائی سادہ معاشرے میں موسیٰ علیہ السلام کی ہشت سالہ خدمت کی

اجرت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ حضرت شعیب کی صاحبزادی کو ان کے حبالہ نکاح میں دے دیا جائے۔

انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج (القرآن)

آٹھ سال لگاتار اجیر کی حیثیت سے تم نے میرے پاس کام کیا تو اس کے عوض میں اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو میں تم سے بیاہ دونگا۔

اس ضمن میں اس کی وضاحت بھی کرتا چلوں کہ مزدور کو آج کی زبان میں "کمیرا" کہا جاتا ہے جس کے معنی ھیں کام کرنے والا۔ قرآن میں لفظ "سخری" استعمال ھوا ہے جو مادہ "سخر" (بمعنی جبر و قہر) سے ماخوذ ہے اور شاید اسی لئے اس کے معنی بیگار پر کام کرنے والا بتائے جاتے ھیں۔ لیکن "سخری" کے اصلی معنی ھیں:

الذی یقہر لیتسخر بارادتہ (مفردات، ص ۲۲۹)

جو اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر اپنی خوشی یا ارادے سے کام میں لگ جائے۔

"سخری" اور "کمیرا" قریب قریب ہم معنی الفاظ ھیں۔ قرآن کے درج ذیل فرمان میں:

و رفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضاً سخریا۔ القرآن

افراد بشر میں درجاتی اونچ نیچ اس امر کی متقاضی ہے کہ ایک دوسرے سے کام لے۔

معاشی نشیب و فراز کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ قانون تفویض کو پیش کیا گیا ہے۔ آیت کا سیدھا، صاف، تاویل سے پاک مطلب یہ ہے کہ انسانی

معاشرے کی بنیاد خدمت اور نفع رسانی پر ہے۔ مختلف صلاحیتوں اور دلچسپیوں کے لحاظ سے معاشرے کے اونچے نیچے درجے رکھے گئے ہیں۔ اور توقع کی گئی ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنی صلاحیت سے کام لے کر دوسرے کی خدمت کرے اور دوسرے کو نفع پہنچائے۔ درجات کا تفاوت اور صلاحیتوں کا اختلاف نہ ہوتا اور سب ایک ہی صلاحیت رکھتے ہوتے تو معاشرہ تشکیل نہ پا سکتا۔ معاشرہ احتیاج سے ہے اور احتیاج کے لئے صلاحیتوں کا اختلاف ضروری ہے۔ آیت میں صلاحیتوں کے اختلاف اور تنوع کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق معاشی اونچ نیچ سے نہیں، معاشی لین دین سے ہے اور معاشی لین دین قیام معاشرہ کی اساس ہے:

اسلام میں اس کی اجازت تو ہے کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنے جیسے انسان سے صلاحیت کے مطابق خدمت لے کر اس کو اجرت دے دی جائے۔ قرآن کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ سے ان کی امانت اور قوت کے مطابق ہی تو خدمت لی گئی تھی۔ یہ استیجار ہے اور استیجار میں اسلامی تصور حیات کی رو سے کوئی قباحت نہیں۔ آپ اسے "سخری" گردانتا بھی کہہ سکتے ہیں جو فطرت کے مطابق بھی ہے اور زندگی کے بنیادی تقاضوں سے ہم آہنگ بھی۔ لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا (کم سے کم میں یہی سمجھتا ہوں) کہ سرمایہ کی افزائش کے لئے اپنے جیسے انسان کی خدمات اجرت پر حاصل کی جائیں اور کاسب سے اجیر کا کام لیا جائے۔ کسب شریف ترین وسیلہ پیداوار ہے اور شریف ترین وسیلہ پیداوار کو سرمایہ داری اور دولت کاری کا وسیلہ قرار دینا اس کی تحقیر ہی نہیں شرف انسانی کی خواری بھی ہے۔ اسلام انسانی شرافت کا علم بردار ہے۔ وہ انسان کی خواری کا روادار نہیں ہو سکتا۔

سرمایہ دے کر دوسرے سے بیوپار کرانے اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کو اسلام گوارا نہیں کرتا۔ کیوں؟ شاید اس لئے کہ کاروبار ذریعہ

پیداوار ہے اور ذریعہ پیداوار میں استیجار کی اور معاوضے پر دولت کمانے کی گنجائش نہیں۔ کاسب کو شریک عمل تو گردانا جا سکتا ہے، اجیر یا سخری نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ سرمایہ اور محنت میں البتہ شرکت مضاربت کی گنجائش ہے اور اس کی صورت فقہائے اسلام نے یہ بتائی ہے کہ سرمایہ ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے کی، اور کاروبار سے جو منفعت ہو اس میں سرمایہ دار اور محنتی دونوں شریک ہوں۔ محنت مستقل، آزاد، شریف ترین پیداواری و حدت ہے۔ اسے مزید پیداوار کی تحصیل اور تخلیق کے لئے شریک سرمایہ تو گردانا جا سکتا ہے اجرت دے کر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

زر کی طرح زمین بھی پیداواری و حدت ہی ہے اس لئے اصولاً اس کی اجازت نہ ہونی چاہئے کہ اس میں ہل چلانے اور بیج ڈالنے کے لئے کسی کی خدمت حاصل کی جائے اور جو کچھ پیدا ہو اس میں سے یا نقدی کی صورت میں اس خدمت کا اسے کچھ صلہ دے دیا جائے۔ سرمایہ کے حق میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرمایہ دار یعنی صاحب المال کا اس پر قانونی حق ہے کہ یہ اس کے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ہے۔ لیکن زمین کی بابت جس کا مالک اصالۃً خدا اور نیابۃً اسلامی معاشرہ یا اس کی جائز منتخب نمائندہ حکومت ہے، کم سے کم وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ زمیندار اس کا مالک ہے اور قانوناً اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ قابض کی حیثیت سے وہ اس سے استفادہ کرے۔ خود ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور دوسروں سے کام لے اور پیدا کرنے والے یا اگانے والے کے ہاتھ پر چند ٹکے رکھ کر تمام پیداوار خود ہتھیالے۔ یہ بات ایک سیدھے سادے مسلمان کی سمجھ سے باہر ہے۔ مضاربت کی طرح یہاں بھی شرکت فی الزراعت یعنی ہل بیل، بیج وغیرہ دے کر کاشت کرانے اور جو کچھ پیدا ہو اس میں سے مقررہ حصے کے مطابق باہمی تقسیم یا بٹوارے کی اجازت ہونی چاہیے اور بس۔ سو جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلام نے مزارعت اور مساقات کی، جیسا کہ

خود ان لفظوں سے ظاہر ہے صرف اس صورت میں اجازت دی ہے جب :

(۱) مزارع اور مساقی (درختوں کو پانی دینے والا) زمیندار اور باغ لگانے والے کے شریک کار ہوں اجیر اور کرایہ دار نہ ہوں۔

(۲) سامان کاشت و آلات کشاورزی هل ، بیل ، بیج ، پانی ، ڈول ، ڈلیا وغیرہ کاشتکار اور کارکن کو مالک باغ و زمین کی طرف سے مہیا کئے جائیں۔ تفصیل کا موقع نہیں۔ میں اپنے اس خیال کی تائید میں صرف چند ضروری اور واضح شہادتیں ھی پیش کر سکتا ہوں۔

سب سے بڑی اور اہم شہادت تو خود حضور اکرم کا فرمان واجب الاذعان ھی ہے جس کا ذکر امام مسلم نے ان الفاظ میں کیا ہے :

من کانت له ارض فلیزرعها فان عجز عنها فلیمنحها اخاه المسلم ولا یواجرها۔

کسی کے قبضے میں زمین کا کوئی قطعہ ہو تو اسے اس میں کاشت کرنی چاہیے کسی وجہ سے کاشت نہ کرسکے تو اپنے مسلمان بھائی کو بطور عطیہ دیدے کرایہ پر نہ اٹھائے۔

اس فرمان کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے جیسا کہ علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ زمین خود کاشت کے لئے ہے ، اس کا کرایہ پر چڑھانا اور آمدنی بیٹھ کر کھانا جائز نہیں۔

نهیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء الارض جملۃ۔

حضور نے زمین کو مطلقاً کرایہ پر اٹھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔

کرایہ پر اٹھانے کے معنی ہیں مزدوری دے کر کام لینا یا جیسا کہ میں نے عرض کیا "کاسب" کو اجیر قرار دینا۔ شریک بنا کر "کاسب" سے کھیتی

باڑی کرلی جاسکتی ہے اور نخل بندی یا آبپاشی بھی۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں :

قالت الانصار اقسم بیننا و بین اخواننا النخیل قال لا۔ فقالوا فتکفونا المؤنۃ و نشرککم فی الثمرۃ قالوا سمعنا و اطعنا ۔

(بخاری جلد ۱، ص ۳۱۲)

انصار نے حضور سے کہا آپ ہمارے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجور کے درخت تقسیم فرمادیجیے ۔ آپ نے انکار فرمایا تو انصار بولے تم ہمارا ہاتھ بٹاو تو ہم پھلوں میں تمہیں شریک بنالیں گے۔ مہاجرین نے جواب دیا بسروچشم ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مہلب کے حوالے سے لکھا ہے یہ مساقاۃ (مل جل کر درختوں کی ٹہل) یعنی شرکت فی العمل ہے۔ اور اس میں کوئی خامی یا خرابی نہیں ۔

فسألو هم ان یساعدوھم فی العمل و یشرکوھم فی الثمر ۔ قال و ھذہ المساقاۃ ۔ (جلد ۵ ص ۷)

انصار نے مہاجرین سے کہا تھا کہ کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں تو پھلوں میں انہیں شریک کرلیا جائے گا ۔ اور یہ مساقات ہے۔

جسطرح مل جل کر درختوں کی ٹہل کی جاسکتی ہے مل جل کر کھیتی بھی کی جاسکتی ہے۔ یہ مزارعت یعنی شرکت فی الزراعت ہوگی۔ اس کے لئے جیسا کہ حسن بصری نے لکھا ہے اور امام زھری نے اس سے اتفاق کیا ہے، ضروری ہے کہ زمیندار اور مزارع دونوں مل جل کر خرچ کریں ۔

و قال الحسن البصری لاباس ان تکون الارض لاحدھما فینفقان جمیعا فما خرج فھو بینھما ۔

(بخاری جلد ۱، ص ۳۱۳)

حسن بصری فرماتے ہیں اس میں کیا مضائقہ ہے کہ زمین ایک شخص کی ہو اور دونوں مل کر اس پر خرچ کریں اور جو پیدا ہو اسے آپس میں بانٹ لیں ۔

امام زہری کی رائے بھی یہی ہے ۔

یا جیسا کہ ابن سیرین فرماتے ہیں مزارع اور اس کے عیال و اطفال تو کام کریں اور مصارف تمام تر زمیندار کے ذمے ہوں :

کان لا یری باساً ان یدفع ارضه الی الاکار علی ان یعمل فیها بنفسه و ولده واعوانه ولا ینفق شیئاً وتکون النفقة کلها علی رب الارض ۔

ابن سیرین اس میں کوئی حرج نہیں بتاتے کہ زمین کاشتکار کو اس شرط پر دی جائے کہ وہ خود بھی کام کرے اور اس کی اولاد بھی ۔ اور مصارف زمیندار پر ہوں ۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ جب حضرت طاوس کو زمین کرایہ پر اٹھانے سے روکا گیا تو آپ نے فرمایا میں زمین اجرت پر نہیں دیتا ” انی اعطیهم و اعینهم “ میں کاشتکاروں کو زمین دیتا ہوں اور ان کی مدد بھی کرتا ہوں ۔ اور حضرت ابن عباس نے مجھے بتایا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں “ ۔

ان روایات و شواہد سے ثابت ہوا کہ اصل پیداواری وحدت کسب ہے جب تک ” کاسب “ کو شریک نہ کریں تنہا سرمایہ کو ذریعہ پیداوار نہیں بنا سکتے ۔